حُجِیّتِ حدیث

اور

کیا ہر حدیث حدیثِ رسول ہے؟

❖❖❖❖

شمس پیرزادہؒ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹ر محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳ ☆ فون: ۲۳۴۶۵۰۰۵

تیسرا ایڈیشن اپریل ۲۰۱۵ء

تعداد: 1000

قیمت: ۱۰ر روپے

Rs. 10/-

فہرست

صفحہ	عنوان
۳	عرض ناشر
۴	پیش لفظ
۵	حدیث کی اہمیت
۷	انکارِ حدیث
۷	حدیث اور سنت کا فرق
۹	حدیث کی کتابت
۱۱	تدوین حدیث
۱۲	حدیث کی قسمیں
۱۴	ضعیف حدیث حجت نہیں
۱۷	اسماء الرجال
۱۹	درایت
۲۳	حدیث جب قرآن وسنت کے خلاف ہو
۲۵	موضوع حدیث
۲۵	حدیثیں وضع کرنے کے اسباب
۲۹	واضعین حدیث
۳۰	اصول الکافی
۳۱	روایت پرستی
۳۲	حدیث کے معاملہ میں اعتدال کی راہ

نوٹ : صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا مستحسن ضرور ہے لیکن ہر جگہ ضروری نہیں چنانچہ حدیث کے راوی ہر جگہ اس کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس لئے جہاں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے اس پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

بسمہٖ تعالیٰ

عرض ناشر

مولانا شمس پیرزادہؒ نے صحیح ترین حدیثوں پر مشتمل دو مجموعے ''تنویر الحدیث'' مسلمانوں کی تربیت کے لئے اور ''جواہر الحدیث'' برادرانِ وطن کے ذہن کو سامنے رکھ کر دعوتی نقطۂ نظر سے مرتب فرمائے ہیں، قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔

زیر مطالعہ کتابچہ ''حجیت حدیث اور کیا ہر حدیث، حدیثِ رسول ہے؟'' مولانا مرحوم کے تحقیقی ذہن کا شاہکار ہے۔ حدیث کے معاملہ میں آپ بہت ہی احتیاط سے کام لیتے۔ ایسی حدیثیں جو روایت کے لحاظ سے کتنی ہی معتبر ہوں لیکن قرآن کی تعلیمات سے ٹکراتی ہوں، ان پر کلام کرنے سے ذرا بھی تامل نہ کرتے اور ضعیف سے ضعیف حدیث جو قرآن سے مطابقت رکھتی، اس کو لینے میں فراخدلی سے کام لیتے۔

یہ کتابچہ عام مسلمانوں کو علم حدیث حاصل کرنے کے لے بہترین تحفہ ہے۔ علم حدیث کی بڑی بڑی کتابیں پڑھنا ہر مسلمان کے بس کی بات نہیں۔ مولانا مرحوم نے اس علم کے دریا کو کوزہ میں سمو دیا ہے۔ اس کتابچہ کے مطالعہ سے عام قاری کو علم حدیث کے تعلق سے اچھی خاصی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث کی اہمیت، فتنہ انکار حدیث، حدیث کی قسمیں، اسماء الرجال، روایت و درایت وغیرہ۔ اس میں ضعیف حدیثوں پر نقد اور صحیح حدیثوں کو پہنچاننے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔

علماء کا ایک بڑا طبقہ جو ضعیف اور موضوع حدیثیں پیش کر کے دین کا حلیہ بگاڑ رہا ہے، ان کو تنبیہ کی ہے تو دوسری طرف وہ طبقہ جو قرآن کی کسوٹی پر حدیثوں کو نہ جانچتے ہوئے ان پر عمل کرنا باعث اجر و ثواب سمجھتا ہے، ان کو بھی خبردار کیا ہے۔ اس طرح حدیث کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ اسی سلسلہ کا ایک کتابچہ ''موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن'' کافی مقبول ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو اجر جزیل عطا کرے اور ہم کو قرآن کے ساتھ صحیح حدیثوں پر عمل کرنے اور ان کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد صدیق قریشی
سکریٹری
ادارہ دعوۃ القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

کیا ہر حدیث، حدیثِ رسول ہے؟ اس موضوع پر چند ماہ قبل راقم السطور کو اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن ممبئی میں لکچر دینے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اب اسے عام افادیت کے پیشِ نظر ضروری اضافوں کے ساتھ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

علم حدیث پر اردو میں متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں علمی بحثیں کی گئی ہیں۔ ہم نے یہ مختصر پمفلٹ عام پڑھے لکھے طبقہ کی ضرورت کے پیش نظر مرتب کیا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے تحقیقی انداز کے باوجود اسے آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔ صحیح حدیثوں اور ضعیف اور موضوع حدیثوں میں تمیز کرنا لوگوں کے لئے یقیناً بڑا مشکل کام ہے لیکن جس طرح لوگ کھرے اور کھوٹے سکے میں تمیز کرتے ہیں اسی طرح وہ ضروری معلومات حاصل کر کے صحیح حدیثوں اور بے سروپا روایتوں میں بھی تمیز کر سکتے ہیں۔ یہ پمفلٹ ان کی اسی مشکل کو آسان بنانے کے لئے لکھا گیا ہے۔

حدیث کے معاملہ میں لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو سرے سے حدیث ہی کے منکر ہیں اور دوسری طرف ضعیف سے ضعیف اور بے سروپا روایتوں کو بھی قبول کرنے والے لوگ ہیں یہاں تک کہ روایت پرستی بہت سے علماء میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ اور احقاق حق کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ مخالفتوں کی پرواہ کئے بغیر اس صورتِ حال پر ناقدانہ نظر ڈال لی جائے اور تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ اللہ کرے یہ خدمت عامۃ المسلمین کو حدیث کے معاملہ میں راہِ اعتدال دکھانے کا باعث بنے۔ وما توفیقی الا باللہ

شمس پیرزادہؒ

ادارہ دعوۃ القرآن ممبئی۔ ۳

۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

۱۸ جولائی ۱۹۹۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ اقبال نے بالکل بجا فرمایا ہے ؎

یہ امت روایات میں کھو گئی　　یہ امت خرافات میں کھو گئی

کہاں اس امت کے وہ لوگ جو چشمۂ صافی سے سیراب ہوتے تھے اور کہاں اس امت کے یہ لوگ، جن کو گدلا پانی مرغوب ہے۔ تاہم اللہ کے فضل سے ہر دور میں کچھ لوگ خواہ ان کی تعداد کتنی ہی قلیل رہی ہو چشمۂ صافی ہی سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ اور آج بھی اس امت میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ چشمۂ صافی کیا ہے، قرآن وسنت اور گدلا پانی کیا ہے، بے سروپا روایتوں کی آمیزش، جس سے حق وباطل میں التباس ہو رہا ہے۔

حدیث کی اہمیت

حق قرآن وسنت کے اندر ہے اور یہی شریعت کی دو اہم بنیادیں ہیں۔ قرآن کا تو ایک ایک لفظ کلام الٰہی ہے اس لئے شبہ سے بالاتر ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے اس لئے اس کی ہر بات قطعی حجت ہے۔ رہی سنت تو وہ یقیناً حجت ہے، بشرطیکہ اس کا سنتِ رسول ہونا ثابت ہو۔ سنت کے لئے حدیث کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے حدیث کیا ہے اس پر ہم پہلے گفتگو کریں گے۔

حدیث کے لفظی معنی تو بات اور کلام کے ہیں۔ لیکن اصطلاحی طور پر اس کا اطلاق نبی ﷺ کے قول وفعل پر ہوتا ہے نیز اس بات پر بھی، جو آپ کی موجودگی میں کی گئی اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ محدثین اس تیسری صورت کو تقریر کہتے ہیں۔ آپ کے قول کی مثال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ بَنیٰ مَسْجِداً لِلّٰہِ تَعَالیٰ بَنیَ اللّٰہُ لَہٗ بَیْتاً فِی الْجَنَّۃِ. (مسلم کتاب المساجد)

'' جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔''

اور آپ کے فعل کی مثال یہ ہے کہ آپ نے نماز کے لئے اذان اور جماعت کا نظام قائم فرمایا۔ اور تقریر کی مثال یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں بعض صحابہ عزل کرتے رہتے کہ لونڈیوں سے حمل نہ ٹھہرے اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ اگر عزل کرنا ناجائز ہوتا تو آپ ضرور منع فرماتے۔

حدیث خواہ قولی ہو یا فعلی بہر صورت حجت ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے: اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ (النساء۔۵۹)

'' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔''

نیز فرمایا:۔

وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ (الحشر۔۷)

'' اور رسول جو تمہیں دے اس کو لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔''

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۔ (الاحزاب۔۲۱)

'' تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔''

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْراً اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ ۔(الاحزاب۔۳۶)

'' کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو ان کے لئے اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے۔''

نبی ﷺ نے بھی حدیث کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے جو خطبہ دیا اس کے اخیر میں فرمایا:

لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ ۔ (البخاری کتاب العلم) '' جو یہاں موجود ہیں ان کو چاہئے کہ وہ ان باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔''

آپ نے حدیث کو بیان کرنے کی ترغیب بھی دی ہے:۔

نَضَّرَ اللّٰہُ امرأ سمع منّا شیئا فبلغہ کما سمعہ ۔ (الترمذی ابواب العلم)

'' اللہ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے پہنچا دیا جیسا کہ سنا تھا۔''

انکارِ حدیث

جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور قرآن کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں وہ درحقیقت رسول کی اطاعت اور اس کی اتباع سے منہ موڑتے ہیں۔ قرآن کے احکام کی تعمیل کس طرح کی جائے اور ان کی تفصیلات کیا ہیں؟ اس کا کوئی معقول اور صحیح جواب ان کے پاس نہیں ہوتا اس لئے وہ ان احکام کو وہ معنی پہنانے لگتے ہے جو قرآن کے بیان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے اور انکل سے احکام کی تفصیلات متعین کرنے لگے ہیں۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ کی شرحیں از خود متعین کرنے لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں شریعت کا پورا نظام متاثر ہی نہیں ہوتا بلکہ بدل جاتا ہے۔ قرآن کریم نے رسول کی شان یہ بتلائی ہے کہ وہ

یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ آیاتہ وَیُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الکتاب والحکمۃ.(الجمعۃ۔۲)

'' جو ان کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

چنانچہ حدیث حکمت کا خزانہ ہے اور اس میں تزکیۂ نفس کے لئے بہترین نسخے پیش کئے گئے ہیں لیکن حدیث کا انکار کر کے اس قیمتی سرمایہ سے آدمی محروم ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں انکار حدیث کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے جس میں وہ لوگ بہ آسانی مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا دینی مطالعہ سطحی ہوتا ہے۔

حدیث اور سنت کا فرق

سنت کے معنی طریقہ کے ہیں اور دینی اصطلاح میں سنت سے مراد نبی ﷺ کا طریقہ ہے۔ حدیث کو بھی جب کہ وہ نبی ﷺ سے ثابت ہو سنت کہا جاتا ہے کیوں کہ حدیث قولی ہو یا فعلی آپ کے طریقہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ لیکن سنت کا اطلاق بالعموم آپ کے افعال، آپ کی سیرت اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں سنت فرض اور واجب سے کم درجہ کے احکام کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں ہے بلکہ یہاں شرعی اصطلاح سے بحث ہے۔ چنانچہ حدیث میں سنت کا لفظ وسیع معنی میں نبی ﷺ کے طریقہ ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مشہور حدیث ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّشِدِيْنَ الْمُهَدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ . (الترمذی ابواب العلم)

''میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑے رہنا۔''

ایک اور حدیث میں ہے:۔

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔(البخاری کتاب النکاح)

''جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۔''

نبی ﷺ نے دین کا جو طریقہ رائج فرمایا وہ آپ کی سنت تھی جسے دیکھ کر لوگ عمل کرتے تھے۔ شریعت کے بیشتر احکام اسی طرح رواج پا گئے۔ مثال کے طور پر پنج وقتہ نماز، فرض نماز کی رکعتیں، نماز کے ارکان، نماز کے لئے اذان اور جماعت کا اہتمام، مسجد کی تعمیر، عیدین کی نمازیں، مختلف اجناس کے لئے زکوٰۃ کی شرحیں اور ان کی وصولیابی اور تقسیم کا نظام، مناسک حج، جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ، نکاح کا طریقہ، قضائے شرعی، اجتماعی امور کی انجام دہی کے لئے امراء کا تقرر اور جہاد کے لئے قوت وغیرہ کی فراہمی اور جنگ کے طور طریقے وغیرہ۔

ان امور میں نبی ﷺ نے جو طریقے رائج فرمائے آپ کے پیرو ان پر کاربند ہوتے اور ان پر عمل درآمد کے لئے کسی قولی حدیث کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے اقوال سے وہ بے نیاز تھے۔۔۔ نہیں، بلکہ ان کو بھی جاننے کی وہ کوشش کرتے۔۔۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں سنتِ نبوی ایک معروف چیز تھی جس کو دیکھ کر لوگ رسول کا اتباع کرتے۔

مثال کے طور پر آپ ظہر کی فرض نماز چار رکعتیں ادا کرتے رہے۔ آپ کی یہ سنت ایسی معروف تھی کہ اس کے بارے میں کسی قولی حدیث کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی ﷺ نے یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو وہ آپ کے نمائندہ کی حیثیت سے یمن گئے۔ وہاں لوگوں کے لئے سنت نبوی کے جاننے کا ذریعہ حضرت معاذ کی شخصیت تھی۔ ان کی نماز کو دیکھ کر لوگ سمجھ لیتے کہ نبی ﷺ نے نماز کا یہی طریقہ بتلایا ہے۔ اسی طرح جس مقدار میں زکوٰۃ وصول فرماتے اور اس کو جس طرح صرف کرتے نیز حکومتی سطح پر جو احکام آپ نافذ فرماتے ان سے سنت نبوی اُبھر کر

لوگوں کے سامنے آجاتی تھی کیوں کہ حضرت معاذ آپ کے نمائندہ تھے اس لئے کوئی کام آپ کے طریقہ سے ہٹ کر نہیں کر سکتے تھے۔ غرضیکہ عہد رسالت میں سنتِ رسول کو جاننے کا ذریعہ دین کا وہ نظام تھا جو نبی ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ یہ نظام صحابہ کے زمانہ میں بھی جوں کا توں قائم رہا اور دورِ صحابہ کے بعد بھی آپ کی سنت، سنتِ جاریہ کی حیثیت سے لوگوں میں معروف رہی اور تواتر کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی اور آج بھی امت اس سنتِ جاریہ (متواترہ) پر متفق ہے بجز گمراہ فرقوں کے۔ امام مالک کا تو مسلک ہی یہ تھا کہ اگر خبر واحد (وہ حدیث جس کا راوی ایک ہو) اہل مدینہ کے عمل کے معارض ہوئی تو وہ اہل مدینہ کے عمل کو ترجیح دیتے (السنة ۔ مصطفیٰ سباعی ص ۴۳۰) یہ اس لئے کہ ان کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل سنتِ جاریہ کے حکم میں ہوتا۔

ہدایت کا دارومدار بینات (واضح نشانیاں اور احکام) کو قبول کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے پر ہے جس میں قرآن کے علاوہ سنتِ جاریہ (جسے سنت متواترہ بھی کہہ سکتے ہیں) بھی شامل ہے جس کے بغیر رسول کی اتباع بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے۔ رہیں وہ حدیثیں جو سنت جاریہ کے علاوہ ہیں تو اگر ان کی صحت محتمل ہو تو ان کا شمار بینات میں نہیں ہو سکتا جن پر قرآن کی رو سے ہدایت کا دارومدار ہے۔ البتہ کسی حدیث کے حدیث رسول ثابت ہو جانے کے بعد اس کو قبول نہ کرنا اور اپنی یا کسی فقیہ کی رائے کو ترجیح دینا اتباع رسول سے انحراف ہے جس کی جرأت کسی شخص کو بھی خواہ وہ عالم ہو یا عامی نہیں کرنا چاہئے۔

حدیث کی کتابت

عہد رسالت میں حدیث کو ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام نہیں کیا گیا جس کی بنیادی وجہ قرآن کو حدیث کے ساتھ خلط ملط ہونے سے بچانا تھا۔ قرآن کریم کے لئے تو کاتب مقرر تھے اور جب کوئی وحی نازل ہوتی آپ کاتب کو بلا کر لکھواتے۔ اگر حدیثیں بھی لکھواتے تو قرآن اور حدیث میں اشتباہ کی صورت پیش آسکتی تھی تاہم آخری دور میں جب کہ قرآن کو محفوظ کرنے کا سامان پوری طرح ہو گیا تھا آپ نے بعض صحابہ کو حدیثیں لکھنے کی اجازت دی۔

حضرت ابو بکرؓ جب خلیفہ ہوئے اور حضرت انس کو بحرین بھیجا تو انہیں ایک تحریر دی جس میں مویشیوں اور چاندی کی زکوٰۃ کی شرحیں بیان کی گئی تھیں اس صراحت کے ساتھ کہ یہ فرض صدقہ ہے جو رسول ﷺ نے مسلمانوں پر کیا ہے اور جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ)

حضرت عمرؓ نے حدیثیں قلمبند کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر پھر ارادہ بدل دیا اور فرمایا: ''جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں حدیثیں لکھنے کا ارادہ باندھ رہا تھا۔ دریں اثنا مجھے یاد آ گیا کہ مسلمانوں سے پہلے اہلِ کتاب نے کتابِ خداوندی کے ساتھ اور کتابیں لکھیں پھر کتاب الٰہی کو چھوڑ کر انہی کے ہو رہے۔ بخدا میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہیں کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے کتابتِ احادیث کا ارادہ ترک کر دیا۔'' (علوم الحدیث۔ ڈاکٹر صبحی صالح ۵۹ بحوالہ طبقات ابن سعد ۳/۱ ص ۲۰۶)

قرآن اور نبی ﷺ کی رائج کردہ سنت کی موجودگی میں قولی حدیثیں بیان کرنے کی ضرورت بس ایک حد تک ہی تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ حدیثیں بیان کرنے والوں پر گرفت کرتے رہے تا کہ وہ اس معاملہ میں محتاط رہیں اور کوئی ایسی بات نبی ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جو آپ کے بیان سے مناسبت نہ رکھتی ہو۔ ان کی گرفت کو یہ معنیٰ پہنانا صحیح نہیں کہ وہ حدیثوں کو بیان کرنے کے خلاف تھے کیوں کہ ان کے کتنے ہی فیصلے بیان کئے جا سکتے ہیں جو انہوں نے دوسرے صحابہ سے حدیثیں سن کر کئے ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم حدیثیں بیان کرنے میں پیش پیش رہے۔ پھر تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین کا دور آیا اور حدیثیں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ حدیث کی تعلیم کے لئے خاص مجلسیں منعقد ہوتیں جن میں شیوخ، اپنے حافظہ کی مدد سے حدیثیں بیان کرتے اور شاگردان کو محفوظ کر لیتے۔ امام مالک بن انس، سعید بن مسیب، نافع مولیٰ ابن عمر، محمد بن سیرین، ابن شہاب زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل کے نام قابل ذکر ہیں۔

تدوینِ حدیث

حدیث کو یاد کر کے زبانی بیان کرنے کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ فتنوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور مختلف فرقے وجود میں آ گئے اور فقہی اختلاف نے بھی عصبیت پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر گروہ نے اپنی تائید میں حدیثیں پیش کرنا شروع کر دیں۔ اس مقصد کے لئے حدیثیں گھڑی بھی گئیں اور حدیثِ رسول میں اپنی طرف سے اضافے بھی کئے گئے، نیز غلط معنی بھی پہنائے گئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر محدثین نے حدیثوں کو باقاعدہ مدون کرنے کا کام شروع کیا تا کہ حدیثیں لوگوں کے سامنے اسناد کے ساتھ پیش ہوں اور وہ من گھڑت روایتوں سے بچیں۔

تدوین حدیث کے سلسلے کی پہلی قابل ذکر کتاب مؤطا ہے جو امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) نے مرتب کی۔ اس کے بعد امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے الجامع الصحیح مرتب کی جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) نے صحیح حدیثوں پر مشتمل کتاب مرتب کی جو صحیح مسلم کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے علاوہ متعدد محدثین نے کتب احادیث مرتب کیں۔ مثلاً ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ۔

ان کتب احادیث کے چار طبقات ہیں:۔

طبقۂ اول میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم شامل ہیں۔

طبقۂ دوم میں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی ابن ماجہ اور مؤطا امام مالک شامل ہیں۔

طبقۂ سوم میں مسند احمد بن حنبل، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دار قطنی، سنن بیہقی اور طبرانی شامل ہیں۔

طبقۂ چہارم میں دیلمی، ابونعیم، ابن مردویہ، ابن عساکر اور ابن شاہین وغیرہ شامل ہیں۔

طبقۂ اول کی کتابیں صحت، شہرت اور مقبولیت میں سب سے زیادہ درجہ کی ہیں اور علماء ان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔

طبقۂ دوم میں صحیح اور حسن حدیثوں کے علاوہ ضعیف روایتیں بھی ہیں۔ یہ طبقہ اول کی کتابوں سے کم

درجہ کی ہیں تاہم استدلال ان کی احادیث سے بھی کیا جاتا ہے۔

طبقۂ سوم میں ضعیف احادیث کی کثرت ہے اور بعض موضوع حدیثیں بھی ان میں شامل ہوگئی ہیں اس لئے ان پر کم ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔

رہ گئیں طبقۂ چہارم کی کتبِ احادیث تو وہ بے سروپا روایتوں کا مجموعہ ہیں اور اس لائق نہیں ہیں کہ ان سے استدلال کیا جاسکے۔ یہ کتابیں قصہ گو، صوفیوں، مورخوں اور افسانہ گو واعظوں کا ماخذ و مرجع ہیں۔

حدیث کی قسمیں

محدثین نے حدیث کو ایک باقاعدہ فن بنادیا یہاں تک کہ حقیقت فن میں گم ہو کر رہ گئی۔ انہوں نے اصول حدیث پر کتابیں بھی مرتب کیں جن میں نخبة الفكر، مقدمه ابن الصلاح اور الكفاية فى علم الرواية قابل ذکر ہیں۔ محدثین نے حدیث کی بہت سی قسمیں بیان کی ہیں لیکن ہم یہاں فنی بحث میں پڑے بغیر حدیث کی موٹی موٹی قسمیں بیان کریں گے۔

حدیث صحیح وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو یعنی نبی ﷺ سے اس طرح مروی ہو کہ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو۔ جس کے تمام راوی ثقہ (قابل اعتماد اور عادل) ہوں، جو ضبط کا وصف رکھتے ہوں یعنی حدیث کو اپنے حافظہ میں رکھ کر صحیح طور سے ادا کرتے ہوں اور جن کی روایت کردہ حدیث میں کوئی علت نہ پائی جاتی ہو یعنی ایسی کوئی بات نہ ہو جس کی بنا پر وہ حدیث قابل قبول نہ قرار پائے۔ مثلاً حدیث کی اسناد یا متن میں اضطراب (الجھاؤ) نہ ہو۔

حدیث حسن وہ حدیث ہے جو حدیث صحیح سے کم درجہ کی ہو اور اس کے راوی میں ضبط کی قدرے کمی ہو۔

حدیثِ ضعیف وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ضعف ہو۔ اور ضعیف حدیث ہی کی ایک قسم حدیث مُرسَل ہے۔ یعنی وہ حدیث جس کو تابعی کسی صحابی کے واسطہ کے بغیر نبی ﷺ سے روایت کرے۔ ایسی حدیث جمہور محدثین کے نزدیک قابل حجت نہیں ہے۔ امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''مُرسَل حدیث ہمارے نزدیک اور حدیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک حجت نہیں ہے۔''

اور امام شافعی اس مُرسَل حدیث کو قابل قبول سمجھتے ہیں جس کو کسی بڑے تابعی نے روایت کیا ہو لیکن امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب مرسل حدیث کو صحیح اور قابل حجت قرار دیتے ہیں۔

(شرح نخبۃ الفکر۔ علی القاری ص ۱۱۰ تا ۱۱۲)

چنانچہ امام ابوحنیفہ دار الحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان سود کے جواز کے قائل ہیں اور استدلال ایک مرسل حدیث سے کرتے ہیں، جس کو مکحول نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ دار الحرب میں مسلمانوں اور اہل حرب کے درمیان سود نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے مغنی میں اس پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان کی حدیث مرسل ہے اور ہم اس کی صحت کو نہیں جانتے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد سود سے منع کرنا ہو اور جس کی حرمت قرآن اور سنت سے ثابت ہے اور جس حرمت پر اجماع ہے اس کو ایک مجہول حدیث کی بنا پر ترک نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حدیث نہ کسی صحیح میں وارد ہوئی ہے۔ اور نہ مسند میں اور نہ کسی کتاب میں جو لائق اعتماد ہو۔ مزید یہ کہ یہ حدیث مرسل اور متحمل ہے۔''

(المغنی ج ۴ ص ۴۶)

اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ ایک گروہ نے اس کا سہارا لے کر ہندوستان میں سود کو جائز قرار دیا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ مرسل حدیث جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اور اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ تابعی نے کسی اور تابعی سے سنا ہو، لہٰذا اس کا صحابی سے سننا متعین نہیں ہوتا۔ (ارشاد الفحول۔ شوکانی۔ ص ۵۷)

ضعیف حدیث ہی کی ایک قسم منکر حدیث ہے یعنی وہ حدیث جو کوئی ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرتے ہوئے بیان کرے۔

امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ثقہ راویوں سے صحیح حدیثیں اس کثرت سے مروی ہیں کہ غیر ثقہ راویوں کی روایتیں نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

دین کے معاملہ میں حدیثیں تحلیل وتحریم، امر ونہی یا ترغیب وترہیب سے متعلق ہوتی ہیں۔تو جب راوی سچا اور امانت دار نہ ہو اور اس سے ایسا شخص روایت کرے جو اس کو جانتا ہو اور اس کا حال ان لوگوں کو بیان نہ کرے جو اس کو جانتے نہ ہوں تو وہ اپنے اس فعل پر گنہگار ہوگا اور عامۃ المسلمین کو دھوکہ دینے والا ہوگا کیوں کہ سننے والا ان پر یا ان میں سے بعض حدیثوں پر عمل کرسکتا ہے جب کہ ممکن ہے وہ سب یا اکثر حدیثیں جھوٹ ہوں جن کی کوئی اصل نہ ہو حالانکہ ثقہ راویوں سے صحیح احادیث اس کثرت سے مروی ہیں کہ جو راوی ثقہ نہیں ہیں ان سے روایت کرنے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

''جو لوگ ان ضعیف اور مجہول الاسناد حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں وہ عوام پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے بہ کثرت حدیثوں کو جمع کیا ہے۔تو جس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو اس کا علم میں کوئی حصہ نہیں اور اس کو اہل علم کے بجائے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے۔''(مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۸)

ضعیف حدیث حجت نہیں

ضعیف حدیث حجت نہیں ہے اور یہ خیال کرنا کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے صحیح نہیں۔امام احمد بن حنبل کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ:''جب ہم حلال وحرام کے بارے میں کوئی حدیث روایت کریں گے تو اس میں تشدد سے کام لیں گے اور جب فضائل اعمال میں کوئی حدیث روایت کریں گے تو اس میں سہل انگاری برتیں گے۔''(الکفایہ ص ۱۷۸)

تو اس کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے ان کے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال کریں گے بلکہ مطلب یہ تھا کہ صحیح سے کچھ کم درجہ کی حدیث سے استدلال کریں گے۔مراد ایسی حدیث سے استدلال کرنا ہے جو قریب قریب حدیثِ حسن کے درجہ کی ہو۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

''ضعیف حدیث جس کا ضعف اس حد تک ہو کہ اس سے ظن حاصل نہ ہوتا ہو اس سے حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ اس سے عام شرعی احکام میں استدلال کرنا صحیح ہے۔حکم صرف ایسی حدیث سے ثابت

ہوتا ہے جو صحیح ہو یا حسن لذاتہ۔یا حسن لغیرہ۔ ہو کیوں کہ اسی صورت میں اس کے سچے ہونے اور شارع سے ثابت ہونے کا ظن حاصل ہوتا ہے۔(ارشاد الفحول۔شوکانی۔ص ۴۳)

شیخ محمد خضری''اصول الفقہ''میں لکھتے ہیں:

''جب حدیث کا ضعف راوی کے غیر ضابط ہونے کی بنا پر ثابت ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس سے استدلال کیا جائے گا۔البتہ اگر روایت کے طریقے متعدد ہوئے تو قبول کی جائے گی کیوں کہ اس کو ترک اس کے غلط ہونے کے اندیشہ سے کیا جارہا تھا۔لیکن اس کا متعدد طریقوں سے مروی ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ راوی نے درست کہا ہے۔لیکن اگر ضعف فسق کی وجہ سے ہو تو متعدد طریقوں سے مروی ہونے کے باوجود وہ استدلال کے قابل نہیں ہوتی کیوں کہ راوی کے عادل نہ ہونے کی وجہ سے جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ اس جیسے دوسرے راویوں کے مل جانے کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔'' (اصول الفقہ۔خضری۔ص ۲۷۲)

ڈاکٹر صبحی لکھتے ہیں:

''دین اسلام میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ضعیف حدیث کسی حکم شرعی یا فضائلِ اعمال کے لئے مصدر و ماخذ قرار نہیں دی جاسکتی۔(اس لئے کہ حدیث ضعیف کی اساس ظن پر رکھی گئی ہے اور ظن کسی صورت میں بھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا) پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ فضائل شرعی احکام کی طرح دین کے بنیادی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔یہ کسی طرح جائز نہیں کہ دین کی اساس و بنیاد ایسے ستونوں پر رکھی گئی ہو جو بالکل کمزور اور قوت واستحکام سے یکسر عاری ہو''۔

خلاصہ یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثوں کو معمول بہ بنا سکتے ہیں۔اگرچہ وہ شرائط ان میں موجود بھی ہوں جن کو آسانی ڈھونڈنے والوں نے اس ضمن میں ضروری ٹھہرایا ہے۔ان کے خیال کے مطابق یہ شرائط تین ہیں:۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روایت بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔

(۲) وہ ان اصول وکلیات سے ہم آہنگ ہو جو کتاب اور سنت صحیحہ سے ثابت ہیں۔

(۳) اس سے قوی تر دلیل اس کی معارض نہ ہو۔

ان شروط کے باوصف ہم ضعیف حدیثوں کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس لئے کہ ہم اس پر عمل کرنے سے بے نیاز ہیں۔ ہمارے پاس احادیث حسن وصحیح کی احکام شرعیہ اور فضائل میں اس قدر کثرت ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے حدیث ضعیف کو تسلیم کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ عدم تسلیم کی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث ضعیف کا ثبوت ہمارے قلب وضمیر میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا۔ اور ہمیں کبھی اطمینان قلب حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور اسی شک وشبہ کی وجہ سے ہم اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ حالانکہ دینی امور میں یقین وادغان کی ضرورت ہوتی ہے۔'' (علوم الحدیث ص ۲۷۵)

علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں:

'' بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم بہت سے لوگوں کو اور خاص طور سے مسجدوں کے خطیبوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ضعیف حدیثوں کو لے کر چلتے ہیں، ان سے استدلال کرتے ہیں اور ان پر شرعی احکام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اس بات کو خاطر میں لائے بغیر کہ انہیں اس کی جوابدہی اپنے رب کے حضور کرنا ہے۔ وہ ان لوگوں کے سامنے ایسی حدیثیں پیش کرتے ہیں جو خاموشی کے ساتھ سنتے ہیں بلکہ اکثر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوتا ہے ان خطیبوں پر کہ وہ کس طرح جمعہ کا خطبہ تیار کرتے ہیں اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد نہیں کہ '' جس نے مجھ پر دانستہ جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے'' اور آپ کا یہ ارشاد کہ '' مجھ پر جھوٹ بولنا کسی شخص پر جھوٹ بولنے جیسا نہیں ہے، جس نے دانستہ میری طرف جھوٹ بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۵ ص ۱۰)

ان تصریحات کے پیش نظر ضعیف حدیثوں کو حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جب امام مسلم مرسل حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے تو ضعیف حدیث کے حجت ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کی اگر کوئی مناسب صورت ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ حدیث کے راوی ثقہ ہوں لیکن ضبط (یاد رکھنے) میں کمی پائی جاتی ہو یعنی نسیان ہوتا ہو، وہ قرآن اور احادیث صحیحہ کی معارض (خلاف) نہ ہو اور حکم کسی ایسے مسئلہ کا بیان کیا گیا ہو، جو مقتضائے شریعت ہو مثلاً مالِ تجارت پر زکوٰۃ کے بارے میں ابوداؤد کی یہ حدیث کہ:

'' رسول اللہ ﷺ ہمیں اس مال میں زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے جسے ہم فروخت کیلئے تیار رکھتے تھے۔''

اس کے ایک راوی جعفر بن سعد ہیں جو ضعیف ہیں لیکن اس حدیث کو قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

احناف کتنی ہی صحیح حدیثوں کو محض اس بنا پر قبول نہیں کرتے کہ یہ اخبار احاد (خبر واحد) ہیں۔ مثال کے طور پر سفر کی حالت میں جمع بین الصلوٰتین (ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھنا) کی حدیثوں کو جب وہ صحیح ہیں احناف قبول نہیں کرتے (اس بحث کے لئے دیکھئے اعلام الموقعین۔۔۔ علامہ ابن قیم ج ۵ ص ۲۰) گویا احناف کیلئے تو اپنے اصولوں کے پیش نظر صحیح حدیثوں کو بھی قبول نہ کرنے کی گنجائش ہے لیکن تحقیق کا مسلک اپنانے والوں کے لئے ضعیف حدیثوں سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حدیث کے بارے میں یہ کیسا معیار ہے؟

یہ متاخرین (بعد کے دور کے علماء) ہیں جنہوں نے ضعیف حدیثوں کو قبول کرنے میں فراخ دلی سے کام لیا اور یہ نہیں سوچا کہ جب ضعیف حدیثیں بھی حجت ہیں تو پھر صحیح اور ضعیف کی طویل بحثوں کا کیا حاصل؟ اور اس سلسلہ میں محدثین نے جو فنی بحثیں کی ہیں وہ بالکل غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ پھر تو سیدھے سے یہ کہہ دینا چاہئے کہ ہر قسم کی حدیثیں لازماً قبول کی جانی چاہئیں الا یہ کہ کوئی حدیث موضوع (گھڑی ہوئی) ہو۔ کیا ہمارے علماء یہ موقف اختیار کرنے کے لئے تیار ہیں جب کہ عملاً وہ یہی کچھ کر رہے ہیں۔

اسماء الرجال

اسماء الرجال سے مراد راویوں کے احوال ہیں۔ اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً طبقات ابن سعد، بخاری کی التاریخ الکبیر، ابن ابی حاتم رازی کی الجرح والتعدیل، حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب، امام ذہبی کی میزان الاعتدال وغیرہ۔ کسی حدیث کی اسناد کا حال معلوم کرنا ہو تو اس کے راویوں کے نام اسماء الرجال کی کسی کتاب میں تلاش کرنا ہوں گے۔ ان

کتب کے مؤلفین نے بڑی محنت سے راویوں کے احوال معلوم کر کے درج کئے ہیں جن سے بڑی مفید معلومات سامنے آتی ہیں اور راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا پتہ چلتا ہے۔لیکن مشکل یہ ہے کہ کتنے ہی راویوں کے بارے میں محدثین کے متضاد اقوال منقول ہیں۔ہم یہاں اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) محمد بن اسحاق مشہور سیرت نگار ہیں اور ان سے حدیثیں بھی منقول ہیں۔ان کے بارے میں اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ ہیں لیکن حجت نہیں ہیں۔دار قطنی کہتے ہیں وہ قابل حجت نہیں ہیں۔نسائی کہتے ہیں وہ قوی نہیں ہیں۔ہشام بن عروہ کہتے ہیں وہ کذاب ہیں۔امام مالک کہتے ہیں کہ وہ دجّالوں میں سے ایک دجّال ہے۔امام احمد بن حنبل کہتے ہیں وہ بہ کثرت تدلیس (اصل راوی کا نام چھپانا) کرتے ہیں۔یحییٰ بن قطان کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق جھوٹے ہیں۔ابن عدی کہتے ہیں ان کی روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔امام مسلم نے ان سے پانچ حدیثیں اپنی صحیح میں بیان کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۴۶۸ تا ۴۷۵)

(۲) ابن جُریج مشہور ثقہ راوی ہیں لیکن تدلیس کیا کرتے تھے۔انہوں نے ستر عورتوں سے متعہ کر لیا تھا اور اس کو جائز سمجھتے تھے حالانکہ اپنے زمانہ میں مکہ کے فقیہ تھے۔احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ابن جُریج کی بعض مرسل حدیثیں موضوع (گھڑی ہوئی) ہوتی ہیں۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال للذہبی ج ۲ ص ۶۵۹)

امام مالک کہتے ہیں کہ ابن جُریج حاطب اللیل (رات کو لکڑیاں چن لینے والے) ہیں۔دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ بری طرح تدلیس کرتے ہیں۔ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔امام شافعی کہتے ہیں کہ ابن جُریج نے ستر عورتوں سے متعہ کیا تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۲)

(۳) عمرو بن شعیب کے بارے میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔عمرو بن شعیب کو کچھ لوگوں نے مطلقاً ضعیف کہا ہے لیکن جمہور نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ان میں سے بعض نے ان کی اپنے والد

سے اور ان کی اپنے دادا سے روایت کو ضعیف کہا ہے۔ابن معین کہتے ہیں کہ وہ فی نفسہ ثقہ ہیں لیکن ان کی اپنے باپ سے اور ان کی اپنے دادا سے روایت حجت نہیں ہے اور نہ وہ متصل ہے لہٰذا وہ ضعیف ہے مرسل کے قبیل سے۔" (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۸)

(۴) ابن شہاب زہری بہت بڑے اور مشہور محدث ہیں اور ان کی بہ کثرت روایتیں بخاری اور مسلم میں بھی ہیں۔

ان کے بارے میں ابوداؤد سے منقول ہے کہ زہری کی جملہ بارہ سو حدیثوں میں سے نصف مستند ہیں اور تقریباً دو سو غیر ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ابن سعد کہتے ہیں کہ زہری ثقہ ہیں اور بہ کثرت حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔ان کا عروہ سے سننا ثابت نہیں ہے اور امام احمد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے نہیں سنا اور ابوحاتم کہتے ہیں کہ انہوں نے نہ ابن عمر سے سنا اور نہ انہیں دیکھا۔(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۵ تا ۴۵۱)

ذہبی لکھتے ہے کہ زہری حافظ اور حجت ہیں۔البتہ وہ ان حدیثوں میں جن میں عجیب وغریب باتیں بیان ہوتیں تدلیس کیا کرتے تھے (یعنی اسناد میں گڑبڑ کیا کرتے تھے)

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۰)

یہ چند مثالیں اسماء الرجال کی مستند کتابوں سے پیش کی گئی ہیں۔اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ بعض ثقہ راویوں کے بارے میں بھی احتمال کا پہلو ہوتا ہے اس لئے اسناد کے ساتھ حدیث کے متن (مضمون) کو دیکھنا بھی ضروری ہے اور یہیں سے دِرایت کی ضرورت و اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے۔

دِرایت

روایت کے متن پر ضروری شرائط کے ساتھ غور کر کے اس کی صحت وعدم صحت کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچے کو درایت کہتے ہیں۔اصول حدیث کی مستند اور مشہور کتاب **الکفایۃ فی علم الروایۃ** میں جس کے مؤلف خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) ہیں نے درایت کے مسئلہ پر بڑی اچھی روشنی

ڈالی ہے۔فرماتے ہیں:

''خبر واحد قبول نہیں کی جاسکتی اگر وہ خلاف عقل ہو، قرآن کے اٹل اور محکم حکم کے خلاف ہو، معلوم سنت اور سنت کی طرح جاری فعل کے خلاف ہو نیز قطعی دلائل کے خلاف ہو۔''

(الکفایہ ص ۵۷۷)

ملا علی قاری نے ''الاخبار الموضوعۃ'' میں لکھا ہے کہ وہ حدیثیں موضوع ہیں جو قرآن کی صراحت کے خلاف ہوں۔(ص ۳۲۳)

دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور) میں اصولِ درایت پر بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے:

''اصولِ درایت میں محدثین نے بتایا کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت مجروح ہو جاتی ہے اور قابلِ اعتماد و اعتبار نہیں رہتی:

(۱) جب وہ عقل و فہم سے منافی و معارض ہو۔(۲) کسی اصول مسلمہ سے معارض ہو۔(۳) محسوسات اور مشاہدات سے معارض ہو۔(۴) قرآن مجید سے معارض ہو۔(۵) سنت نبوی سے معارض ہو۔(۶) حدیث متواتر سے معارض ہو۔(۷) اجماع قطعی و یقینی سے معارض ہو۔(۸) معمولی فروگذاشت پر ابدی اور سخت عذاب کی دھمکی پر مشتمل ہو۔(۹) رکیک المعنی ہو اور اس میں شائبہ لغویت پایا جاتا ہو۔(۱۰) اسے صرف ایک راوی روایت کرے حالانکہ اس میں کوئی ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آیا ہوتا تو بہت سے لوگوں کو اس سے واقف و آگاہ ہونا چاہئے تھا۔روایت کے مندرجۂ بالا اصولوں کی علامہ ابن الجوزی نے تصریح کی ہے۔(فتح المغیث ص ۱۱۴، مطبوعہ لکھنؤ)(۱۱) اس میں ایسی فضول باتیں ہوں جو نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نہیں نکل سکتیں۔(۱۲) وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو۔(۱۳) اس میں آئندہ کے واقعات کی بقید تاریخ و وقت بے پردہ کھلی کھلی پیش گوئی بیان کی گئی ہو کیوں کہ یہ منہاج نبوت کے منافی ہے۔(۱۴) حضرت خضر کے متعلق باتیں۔'' (دائرہ معارف الاسلامیہ ج ۷ ص ۹۷۲)

بعض باتیں بدیہی طور پر غلط ہوتی ہیں اور ان کو ہرگز باور نہیں کیا جاسکتا۔اس سلسلہ میں ہمیں قرآن سے رہنمائی ملتی ہے چنانچہ واقعہ اِفک (بہتان کا واقعہ) کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ. (النور۔۱۶) ''جب تم نے یہ بات سنی تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان پر لانا زیب نہیں دیتا۔سبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔''

یعنی بہتان کا یہ واقعہ بالبداہت اتنا غلط تھا کہ اس کی تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اس کے راوی کون ہیں اور وہ کیسے ہیں بلکہ سنتے ہی اس کی تردید کرنا چاہئے تھی۔اس سے روایات کے بارے میں ہمیں اصولی رہنمائی ملتی ہے کہ جن روایتوں میں ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں جن سے نبی ﷺ کی یا کسی بھی نبی کی شخصیت مجروح ہوتی ہے یا آپ کے مخلص ساتھیوں پر بہتان کی حیثیت رکھتی ہیں جو مسلمہ اصولِ دین کے خلاف ہیں، ان کی فوراً تردید کی جانی چاہئے اس بحث میں پڑے بغیر کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یا نہیں۔مثال کے طور پر نبی ﷺ پر جادو کے اثر کی حدیث جو بخاری میں بیان ہوئی ہے جب کہ قرآن کفار کے اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کا، یا جنون کا اثر ہوا ہے۔بشر ہونے کے باوجود جس طرح آپ جنون میں مبتلا نہیں ہو سکتے تھے اس طرح آپ پر جادو کا اثر بھی نہیں ہو سکتا تھا اس لئے آپ پر جادو کے اثر والی روایت ناقابل یقین ہے اور کسی بحث میں پڑے بغیر اس کی تردید کی جانی چاہئے۔

اس کی دوسری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ بولنے کی حدیث ہے جس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔(بخاری کتاب احادیث الانبیاء) جب کہ قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے:

اِنَّه كان صِدِّيقاً نبياً (مریم۔۴۱) ''ابراہیم یقیناً سچا تھا اور نبی تھا۔''

جھوٹ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہے اس لئے ایسی روایت کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں صاف صاف لکھا ہے:

''بلاشبہ روایت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویانِ حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے۔۔۔۔۔پس انبیاء کرام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ و تقلیدیہ میں سے ہے۔

روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو۔ بہر حال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لئے بھی یقینیات دینیہ کے معاملہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے۔'' (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۹۹)

اس کی تیسری مثال صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت کو بھیجا گیا تو انہوں نے ملک الموت کو ایک طمانچہ مارا جس سے ملک الموت کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اور وہ اپنے رب کی طرف واپس لوٹ گئے۔

(مسلم کتاب الفضائل)

سوچئے فرشتہ کا وجود تو مادی نہیں ہے کہ اس کی آنکھ پھوٹ جائے اور یہ ناشائستہ حرکت ایک نبی کیوں کرنے لگے اور ملک الموت روح قبض کئے بغیر کیوں واپس ہونے لگیں جب کہ موت مقررہ وقت سے ایک لمحہ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک لمحہ بعد۔ معلوم ہوتا ہے یہ قصہ اسرائیلیات میں سے ہے جو کسی طرح حضرت ابو ہریرہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ بہر صورت ایسی لغو روایت کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔ بعض روایتیں تاریخی طور پر بھی غلط ہیں۔ مثال کے طور پر بخاری کی روایت کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت مقداد نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے وہ بات ہرگز نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہی تھی کہ:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ .(المائدہ : ۲۴)

'' آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں ہم یہاں بیٹھے رہیں گے''۔ (بخاری کتاب التفسیر)

جب کہ سورۂ مائدہ کا نزول ۶ھ صلح حدیبیہ کے بعد ہوا تھا اور جنگ بدر ۲ھ میں ہوئی تھی۔ پھر حضرت مقداد نے جنگ بدر کے موقع پر سورۂ مائدہ کی آیت کا حوالہ کیسے دیا جو اس وقت تک نازل ہی نہیں ہوئی تھی؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر اس تنقید کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ ان کتابوں کی وقعت گھٹا دی جائے۔ ان محدثین نے صحیح احادیث کو جمع کرنے کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان کے لئے پوری امت

ان کی مرہون منت ہے۔ اور ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا جا رہا ہے اور کیا جانا چاہئے۔ لیکن انسان بہر حال انسان ہے اس کے کام میں نقص رہ جاتا ہے۔ بخاری اور مسلم نے حدیث کے ذخیرہ میں سے صحیح حدیثیں چھانٹنے کی انتھک کوششیں کیں لیکن ان سے کوتاہیاں ہوئیں اور کچھ نقائص رہ گئے لہٰذا یہ کہنا کہ صحیحین کی حدیثوں پر اجماع ہے اور ان کی کسی حدیث پر تنقید نہیں کی جاسکتی سراسر غلط دعویٰ ہے۔ اول تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تدوین عہد رسالت کے دو سو سال بعد ہوئی ہے اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ میں حدیث کی کس کتاب پر اجماع تھا؟ پھر بخاری اور مسلم پر محدثین اور علماء نے تنقید بھی کی ہے۔ مثلاً امام دار قطنی نے بخاری اور مسلم کی ایک سو سے زائد حدیثوں میں علت بیان کی ہے۔ جس کا جواب اگرچہ علامہ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں دیا ہے لیکن اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ صحیح بخاری تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں۔ ''صحیح مسلم میں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن کے بعض راوی مبہم ہیں اور ان میں سے بعض حدیثیں منقطع ہیں۔'' (علوم الحدیث ص ۲۹۰ بحوالہ التدریب ص ۱۱۷۔۱۱۸)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں:

'' بخاری کے اسّی افراد کے ضعف کے بارے میں کلام کیا گیا ہے اسی طرح مسلم کے ایک سو ساٹھ افراد کے بارے میں۔'' (مقدمہ فتح الباری ص ۱۰)

صحیح مسلم کی حدیث: لَا یَشْرِ بَنَّ اَحَدٌ مِنْکُمْ قَائِماً فَمَنْ نَسِیَ فَلْیَسْتَقِیْ '' تم میں کوئی شخص کھڑے ہو کر نہ پیئے اور جو بھول جائے تو اسے چاہئے کہ قے کر دے۔''

اس حدیث کے راوی عمر بن حمزہ ہیں جن کے بارے میں علامہ البانی کہتے ہیں کہ ''ان کو امام احمد، ابن معین اور نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے۔''

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۲ ص ۳۲۶)

حدیث جب قرآن وسنت کے خلاف ہو

جو حدیث قرآن وسنت سے کسی طرح مطابقت نہ رکھتی ہو بلکہ ان کے خلاف ہو، اس کو ہرگز قبول

نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے فاطمہ بنت قیس کی جو صحابیہ ہیں اس حدیث کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ جس مطلقہ کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

قَالَ عُمَرُ لَا نَتْرُکُ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّنَا ﷺ لِقَوْلِ امْرَأَۃٍ لَا نَدْرِیْ لَعَلَّھَا حَفِظَتْ اَوْنَسِیَتْ، لَھَا السُّکْنیٰ وَالنَّفَقَۃُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۔ (مسلم کتاب الطلاق)

”حضرت عمر نے فرمایا: ایک عورت کے کہنے پر ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے جب کہ ہم نہیں جانتے اس عورت نے یاد رکھا یا بھول گئی؟ مطلقۂ ثلاث کیلئے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔“

تو کیا حضرت عمر حدیثیں قبول کرنے سے انکار کرتے تھے؟ نہیں بلکہ حدیث کے متن کو بھی دیکھتے تھے کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف تو نہیں ہے ورنہ جہاں تک راوی کے ثقہ ہونے کا تعلق ہے حضرت فاطمہ بنت قیس تو صحابیہ تھیں۔ حضرت عمر نے انہیں جھٹلایا نہیں بلکہ فرمایا معلوم نہیں فاطمہ بنت قیس نے حدیث کو یاد رکھا یا ان سے بھول ہوئی۔

حضرت عائشہ کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ جب حضرت ابن عمر نے حدیث سنائی کہ بدر کے کفار مقتولین سے نبی ﷺ نے خطاب کر کے فرمایا کہ کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پالیا؟ پھر آپ نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو یہ (مُردے) سن رہے ہیں۔ لیکن جب حضرت عائشہ سے اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا نبی ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اب انہیں اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ جو کچھ میں کہتا تھا وہ حق ہے۔ پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی انک لا تسمع الموتی (تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے) (بخاری کتاب المغازی)

دیکھئے حضرت عائشہ نے کس طرح حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک حدیث پر گرفت کی حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر بھی صحابی ہیں۔ پھر حضرت عائشہ نے نہ صرف یہ کہ صحیح واقعہ پیش کیا بلکہ قرآن کی

آیت سے بھی اس بات پر استدلال کیا کہ مُردے سنتے نہیں ہیں۔ اور جب صحابۂ کرام ایک دوسرے کی روایت کردہ حدیثوں کو قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے اور ان کے قبول اور عدم قبول کا فیصلہ قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر کرتے تھے تو بعد والوں کو یہ کہاں سے چھٹی مل گئی کہ حدیث کے متن کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اسناد کا صحیح ہونا کافی ہے؟

موضوع حدیث

اس بات سے بھی واقف ہونا ضروری ہے کہ حدیثوں میں موضوع حدیثوں کی بھی ملاوٹ ہوتی ہے۔ موضوع حدیث وہ ہے جو گھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دی گئی ہو۔ آپ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کو آپ نے جہنم کی وعید سنائی ہے:

مَنْ تَعَمَّدَ عَلَیَّ کَذِباً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (بخاری کتاب العلم)

”جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔“

نیز فرمایا ہے:

مَنْ رَوٰی عَنِّیْ حَدِیْثاً یَرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ فَھُوَ اَحَدُ الْکَذَّابِیْنَ ۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

”جس نے ہم سے حدیث بیان کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔“

اس وعید کے باوجود جھوٹ بولنے والوں نے بہ کثرت حدیثیں گھڑیں۔ جب امت میں مختلف قسم کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پرست لوگوں نے اپنے اپنے مطلب کی حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں۔ ”امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں اس پر گفتگو کی ہے اور ابوجعفر ہاشمی مدنی کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔ بات بالکل حق ہوتی لیکن نبی ﷺ کی احادیث نہ ہوتیں اور ان کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا۔“ (مقدمہ صحیح مسلم ص۔۲۲)

حدیثیں وضع کرنے کے اسباب

وضع حدیث کی جسارت لوگوں نے مختلف وجوہ سے کی:

ایک وجہ تو سیاسی اختلافات تھے۔ خلافت کے مسئلہ پر جو اختلاف ہوئے ان کے پیش نظر خلفاء کی

موافقت اور مخالفت میں حدیثیں وضع کی گئیں۔ اور بعد میں اموی اور عباسی خلفاء کو خوش کرنے کے لئے بھی موقع پرست لوگ حدیثیں گھڑ کر ان کو سناتے رہے۔ امیر معاویہ کی موافقت میں بھی حدیث گھڑ لی گئی اور مخالفت میں بھی۔ موافقت میں اس طرح کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''معاویہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے جائیں گے کہ ان پر نور کی چادر ہوگی'' اور مخالفت میں اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو قتل کر دو۔'' (الموضوعات۔ ابن جوزی ج ۲ ص ۲۳ اور ۲۶)۔ خلیفہ مہدی کی تائید میں حدیث گھڑی گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب تم خراسان سے سیاہ جھنڈیوں کو آتے ہوئے دیکھو تو ان کا استقبال کرو کیوں کہ ان میں خلیفہ مہدی ہوں گے۔'' (ایضاً ص ۲۹)

دوسری وجہ مسلمانوں کی فرقہ بندیاں تھیں، چنانچہ اپنے اپنے فرقہ کی تائید میں حدیثیں گھڑی گئیں۔ شیعہ اس میں پیش پیش رہے بلکہ آغاز ان ہی سے ہوا۔ غدیر خم کی حدیث کہ نبی ﷺ نے فرمایا'' علی میرے وصی ہیں'' شیعوں کی من گھڑت حدیث ہے (السنۃ مصطفٰی السباعی ص ۸۰) اسی طرح یہ حدیث بھی ان ہی کی وضع کی ہوئی ہے کہ حضرت سلمان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا'' علی میرے جانشین ہیں''۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۸۴)

ان کی وضع کردہ ایک اور روایت بھی ملاحظہ ہو جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

عباد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول ﷺ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں اور میرے بعد جو اپنے صدیق ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے میں نے لوگوں سے سات سال قبل نماز پڑھی تھی؟ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۷۶) ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (الموضوعات ج ۱ ص ۳۴۱)

دوسری طرف شیعوں کے جواب میں بھی حدیثیں گھڑی گئیں مثلاً عبداللہ بن ابی اوفی کی یہ روایت کہ میں نے دیکھا نبی ﷺ حضرت علی پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ اسی اثناء میں ابوبکر و عمر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا اے ابوالحسن ان دونوں سے محبت رکھو کہ ان کو محبوب رکھنے سے تم جنت میں داخل ہوگے۔ (الموضوعات۔ ابن جوزی ج ۱ ص ۳۲۳)

تیسری وجہ بعض صوفیوں اور زاہدوں کا فضائل اعمال میں غلو ہے۔ انہوں نے ترغیب و ترہیب یعنی نیک اعمال کی رغبت دلانے اور بُرے اعمال کے انجام بد سے ڈرانے کے لئے حدیثیں گھڑیں اور عوام ان کی کثرتِ عبادت اور ان کی زاہدانہ زندگیوں کو دیکھ کر دھوکہ میں آجاتے اور ان کی من گھڑت احادیث کو تسلیم کر لیتے۔ چنانچہ قرآن کی سورتوں نیز مختلف اذکار کی فضیلت میں بہ کثرت حدیثیں گھڑی گئیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ''جس نے مجھ پر جمعہ کے دن اسّی مرتبہ درود بھیجا اللہ اس کے اسّی سال کے گناہ معاف کر دے گا۔''

اس حدیث کو علامہ البانی نے موضوع کہا ہے اور لکھا ہے کہ ابن جوزی نے اس کو بے سروپا احادیث میں شمار کیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ۔ ناصر الدین البانی ج ۱ ص ۲۵۱)

(۲) ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس کے گناہ ذرہ برابر بھی باقی نہیں رہیں گے۔'' (موضوعات الصغانی ص ۴۱)

(۳) ''جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔'' (ایضاً ص ۴۳)

(۴) ''غیبت زنا سے زیادہ شدید ہے۔'' (ایضاً ص ۵۹)

(۵) ''رجب اللہ کا مہینہ ہے، شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔'' (ایضاً ص ۷۲)

(۶) ''فقر میرا فخر ہے اور اس پر میں فخر کرتا ہوں۔'' (الاخبار الموضوعۃ۔ ملا علی قاری ص ۱۶۶)

(۷) ''جس نے مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھیں اور درمیان میں بات نہیں کی تو وہ اس کے لئے بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی۔'' (ایضاً ص ۲۹۴)

چوتھی وجہ مسلکی اختلافات ہیں جن کی بنا پر اپنے اپنے مسلک کی تائید میں حدیثیں گھڑی گئیں جن کے نمونے فقہی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر بیہقی کی یہ حدیث کہ ''نبی ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیتے پھر اس کا اعادہ نہ کرتے'' یعنی پھر رفع یدین نہ کرتے۔ صحیح حدیثوں کے خلاف ہے اور علامہ البانی نے اس کے بارے میں لکھا ہے یہ باطل اور موضوع

ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۲ ص ۳۴۶)

اسی طرح یہ حدیث بھی موضوع ہے کہ ''جس نے نماز میں اپنے ہاتھ اٹھائے (یعنی رفع یدین کے) اس کی نماز نہیں ہوگی'' (السنۃ۔ مصطفیٰ سباعی ص ۸۷)

پانچویں وجہ قصہ گو اور واعظوں کا عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے عجیب وغریب باتوں پر مشتمل من گھڑت حدیثیں بیان کرنا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امام احمد بن حنبل اور محدث یحییٰ بن معین نے ایک مسجد میں نماز پڑھی تو ایک قصہ گو شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالرزاق نے قتادہ کے واسطہ سے اور انہوں نے حضرت انس کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جنت میں مشک اور زعفران کی حور ہوگی جس کی کمر ایک ایک میل لمبی اور چوڑی ہوگی اور اللہ اپنے دوست کو سفید موتیوں کا محل عطاء کرے گا جس کے ہر مقصورہ میں ستر ہزار قبے ہوں گے۔'' یہ سن کر یحییٰ نے کہا میں ہوں یحییٰ اور یہ ہیں احمد بن حنبل ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ قصہ گو نے برجستہ جواب دیا کیا دنیا میں تمہارے سوا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہیں۔'' (السنۃ۔ مصطفیٰ سباعی ص ۸۶)

ان اسباب کے علاوہ ایک بڑا بنیادی سبب دشمنانِ اسلام کا، جنہوں نے اسلام کا روپ دھار لیا تھا۔ دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اسلام کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنا اور اس کے نظام کو سبوتاژ کرنا تھا۔ اس کا آغاز سبائی فتنہ سے ہوا تھا بعد میں ملحدوں، زندیقیوں اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر فتنہ پردازی کرنے والے یہودیوں نے حدیثیں گھڑ کر دین کو مشتبہ بنانے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اس امت پر بڑا فضل ہوا کہ اس نے ایسے محدثین پیدا کر دیئے جنہوں نے کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دیا مگر افسوس ہے کہ بصیرت سے کام نہ لینے والے علماء کتنی ہی موضوع احادیث کا شکار ہو کر رہ گئے۔ وضعی حدیث کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا آپ سے تبرک حاصل کرنے کیلئے تو وہ اور اس کا لڑکا دونوں جنت میں ہوں گے۔''(

الموضوعات۔ ابن جوزی ج ۱ ص ۱۵۷)

(۲) ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی پر نقش تھا لا الٰہ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ'' (ایضاً ص ۲۰۱)

(۳) حدیث ''بیگن میں ہر مرض کی شفاء ہے۔'' (ایضاً ج ۲ ص ۳۰۱)

واضعین حدیث

حدیثیں گھڑنے والے بھی کچھ کم نہ تھے بلکہ ایک تعداد تھی جو اس کام میں مشغول رہی۔ عبدالکریم بن ابی العرجاء کو جب وضع حدیث کے جرم میں قتل کے لئے لایا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں۔ (الموضوعات۔ ابن جوزی ص ۳۷)

ابوعصمہ نوح بن ابی مریم المروزی نے فضائل قرآن سے متعلق حدیثیں گھڑی تھیں اور پوچھے جانے پر کہ عکرمہ سے یہ حدیثیں کیوں کر لیں۔ اس نے جواب دیا جب لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف سے ہٹ گئی اور وہ ابوحنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی میں منہمک ہو گئے تو میں نے یہ حدیثیں نیک ارادہ سے گھڑیں۔ (ایضاً ص ۴۱)

حدیث وضع کرنے والے چار اشخاص مشہور تھے۔ مدینہ میں ابن ابی یحییٰ، بغداد میں واقدی، خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور شام میں محمد بن سعید۔ (ایضاً ص ۴۸)

سب سے پہلے عراق میں حدیثیں گھڑی گئیں اور ان کے گھڑنے والے شیعہ تھے۔ محدث زہری کہتے ہیں:

ہمارے پاس حدیث بالشت بھر نکلتی ہے اور جب عراق سے ہمارے پاس لوٹتی ہے تو وہ بانہہ برابر ہو جاتی ہے۔ اور امام مالک عراق کو دارالضرب یعنی حدیث کی ٹکسال کہتے تھے اور امام شافعی کہتے ہیں خواہش پرستوں میں رافضیوں سے زیادہ جھوٹ بولنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

(السنۃ۔ مصطفیٰ سباعی ص ۷۹)

امام شافعی کہتے ہیں کہ واقدی کی کتابیں جھوٹی ہیں اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں وہ حدیثیں گھڑ

لیا کرتے تھے۔(کتاب الجرح والتعدیل۔ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۱)

اصول الکافی

حدیث پر شیعوں کی سب سے مستند کتاب 'اصول الکافی' ہے جس کو کلینی (وفات ۳۲۹ھ) نے مرتب کیا ہے۔اس میں بہ کثرت حدیثیں حضرت جعفر صادق کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہیں جب کہ حضرت جعفر صادق (جن کا سلسلۂ نسب جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ہے اور جن کی پیدائش ۸۰ھ میں اور وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی تھی) تابعی ہیں اس لئے انہوں نے تو نبی ﷺ سے حدیثیں سنی نہیں۔درمیان میں صحابہ کا واسطہ ہونا چاہئے لیکن شیعہ چونکہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہتے ہیں اس لئے ان کے واسطہ سے روایت کرنا بھی پسند نہیں کرتے سوائے دو چار صحابہ کے۔ لہٰذا یہ حدیثیں مرسل قرار پاتی ہیں اور مرسل حدیث کے بارے میں ہم امام مسلم کا قول نقل کر چکے ہیں کہ وہ حجت نہیں ہوتی اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیثیں حضرت جعفر صادق کو جن کو شیعہ امام مانتے ہیں کہاں سے معلوم ہو گئیں اور کیسے یاد ہو گئیں؟ حدیثوں کے متن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ راویوں نے بہت سی روایتیں گھڑ کر حضرت جعفر صادق کی طرف جن کی کنیت ابو عبداللہ ہے منسوب کر دی ہیں۔ابن حبان کہتے ہیں وہ ثقہ ہیں اور سادات اہل بیت میں سے ہیں۔لیکن ان کی ہی حدیثوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے جو ان کی اولاد کے علاوہ کسی اور نے روایت کی ہوں۔(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴)

لہٰذا اس میں درج شدہ بہت سی حدیثیں نہ اسناداً صحیح ہیں اور نہ درایۃً۔

اس کتاب میں حضرت جبریل کی طرف بھی جھوٹ منسوب کیا گیا ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جعفر نے فرمایا حضرت فاطمہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پچھتر دن زندہ رہیں۔ انہیں اپنے باپ کے انتقال کا شدید غم تھا اس لئے جبریل علیہ السلام ان کے پاس آتے اور ان کا غم دور کرتے اور انہیں ان کے باپ کی منزلت کے بارے میں خبر دیتے اور اس بات سے بھی انہیں باخبر کرتے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔حضرت علی ان باتوں

کو لکھتے۔یہ فاطمہ علیہا السلام کا مصحف ہے۔(اصول الکافی ج ۱ ص ۱۸۸)

ایک اور روایت میں سورۂ نور کی آیت اللہ نور السمٰوات و الارض (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) کی عجیب وغریب تاویل کی گئی ہے۔ابو عبداللہ (حضرت جعفر صادق) نے فرمایا کہ اس آیت میں مشکوٰۃ سے مراد حضرت فاطمہ ہیں، مصباح سے مراد حضرت حسن ہیں، زجاجۃ سے مراد حضرت حسین اور کوکب درّی سے مراد حضرت فاطمہ ہیں دنیا کی عورتوں کے درمیان۔۔۔۔ نور علی نور یعنی امام کے بعد امام اور یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ سے مراد یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اماموں کی طرف ہدایت دیتا ہے۔(اصول الکافی ج ۱ ص ۱۵۱)

یہ دور از کار تاویل ویسی ہی حرکت ہے جو یہودی کتاب الٰہی کے ساتھ کرتے رہے ہیں، جس پر قرآن میں گرفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِہٖ (مائدہ۔ ۱۳) ''وہ باتوں کو اپنے محل سے پھیر دیتے ہیں۔''

روایت پرستی

خلافت راشدہ میں حدیثوں کو قبول کرنے کا جو معیار رہا اس میں رفتہ رفتہ کمی ہونے لگی اور جب روایتوں میں بے احتیاطی ہونے لگی تو اصولِ حدیث مرتب ہوئے اور محدثین نے قبول حدیث کے لئے ایک معیار قائم کیا مگر روایتوں کی کثرت اور علماء کی سہل انگاری کے نتیجہ میں ہر قسم کی روایتوں کو قبول کرنے کا رجحان بڑھا اور فنی بحثیں ایسی کی جانے لگیں کہ ضعیف سے ضعیف روایت قابل قبول بن جائے یہاں تک کہ تحقیق کی جگہ روایت پرستی نے لے لی۔حافظ ابن حجر جیسا متبحر عالم اور بلند پایہ محدث بھی درایت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ روایتوں کو قابل قبول بنانے کی کوشش کرتا ہے۔اس کی بہت واضح مثال غرانیق (جس میں بتوں کی تعریف کی گئی ہے) والی روایت ہے۔ اس بے ہودہ روایت کو محدثین نے رد کر دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے اس لئے اس کی اصل ضرور ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۳)

امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم اخلاق سنوارنے والی کتاب ہے جس میں تربیت اور تزکیۂ نفس کا

بہترین سامان کیا گیا ہے مگر اس کا بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں ضعیف تو ضعیف موضوع حدیثیں بھی نقل کی گئی ہیں۔ گویا صحیح حدیثوں کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی اور ہر قسم کی روایتوں پر اعتماد کیا گیا۔

کشاف جیسی تفسیر میں جو کافی مقبول ہوئی قرآن کریم کی سورتوں کے فضائل میں ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں تک نقل کی گئیں۔ اسی طرح دوسری متعدد عربی تفاسیر میں اسرائیلیات نے بھی جگہ پائی۔

اور ہمارے زمانے کا تازہ واقعہ یہ ہے کہ عوام کی اصلاح کیلئے کتاب ''فضائل اعمال'' لکھی گئی جس میں بلا مبالغہ ضعیف اور موضوع روایتوں کی کثرت ہے۔ کیا یہ روایت پرستی نہیں ہے؟

حدیث کے معاملہ میں اعتدال کی راہ

اوپر کی تصریحات سے واضح ہوا کہ حدیث کے معاملہ میں افراط وتفریط، غلط اور بڑی ہی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ نہ تو سرسری مطالعہ کے نتیجہ میں حدیث کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہ آنے کی بنا پر اسے رد کر دینا چاہئے اور نہ ان روایتوں کو جو بدیہی طور پر حدیثِ رسول نہیں ہوسکتیں یا جو واضح طور سے کتاب و سنت کی معارض ہیں قبول کر لینا چاہئے۔ بلکہ جن حدیثوں کی اسناد یا متن میں بظاہر کوئی نقص ہو ان کے بارے میں توقف اختیار کرنا چاہئے اور مکمل تحقیق کے بعد ہی ان کے بارے میں قطعی رائے قائم کرنا چاہئے۔

روایتوں کے قبول کرنے میں محتاط نہ ہونا اور ہر قسم کی الّم غلّم روایتیں قبول کرنا کھلی روایت پرستی ہے۔ اگر ان علماء کا جو بصیرت سے کام نہیں لیتے اور فنی مہارت کا ثبوت دینے پر اکتفاء کرتے ہیں یہ طرزِ عمل ہے تو عام مسلمانوں کو ان کی اندھی تقلید نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں بھی دی ہیں اور عقلِ سلیم سے بھی نوازا ہے لہٰذا بے سروپا روایتوں کو قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ ہر روایت اور ہر حدیث، حدیثِ رسول نہیں ہے بلکہ حدیثِ رسول وہ ہے جس کے ارشادِ رسول ہونے کی شہادت اس کی اسناد سے بھی مل رہی ہو اور اس کے متن (مضمون) سے بھی۔ ایسی ہی حدیثیں شرعاً حجت ہیں جن کو قبول کرنا اور جن پر عمل کرنا واجب ہے۔

Printed at : Pixel Art
M0bail : 9820790615